ڈاکٹر سبینہ اویس اعوان

استاد شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج وومن یونی ورسٹی، سیال کوٹ

سر سیّد کے معاشرتی اصلاحی نظریات اور ہمارا عہد

Dr. Sabina Awais Awan
Assistant Professor, Department of Urdu, Govt College Women University, Sialkot.

"Sir Syed's Role as Social Reformist and Its Impact on Current Era"

Purposeful and beneficial literature not only reflects the true picture of life but also assemble the forces to shape the social system. Literature must understand the laws and code of life portraying the basic social discipline. Sir Syed's efforts towards Muslim renaissance are beyond doubts. His ideology brought revolutionary change in people minds through his writings. Sir Syed Ahmed khan played a pivotal role in transforming the Muslim society from rigidness to enlightened moderate nation through his literary welfare services. After the failure of war of independence, Muslims were the main target of British tyranny. Post 1857 reign brought a huge destructive impact on the socio-economic lives of Muslim nation. Their culture and civilization were on the verge of extinction. At this crucial time, Sir Syed came forward as a savior. He started Aligarh movement to open new horizons for Muslim community of subcontinent. Reforming the social and economic life of distressed, disappointed and poor nation was the sole aim of his movement. He fought for his nation's rights on all fronts. His literary efforts not only save Muslims from ignorance but also illuminate their lives through socio-economic welfare. He wrote on every issue of the hour and elaborated every aspect on critical angles. His social services worth mentioning. Sir Syed was the most influential leader and social reformer of his time. He felt that the socio-economic future of Muslims was threatened by their orthodox aversions to modern science and technology. He made significant contributions in this regard that had long term implications for the Muslims of India, eventually lead to creation of state of Pakistan. Persuading the stubborn, reluctant and ignorant nation to modern education was an

uphill task. But his determination and passion towards this sacred cause overturned all atrocities and brought a new wave of life in his mission. He accomplished his expedition of Muslim social renaissance through his pen. Today, as we find our nation amidst divergent schools of thought, when one segment of society is bent towards ultra-liberalism & appear to blindly follow western civilization, when discrimination on the basis of gender, violation of human rights, linguistic discrepancies and religious fanaticism are rampant, there is a dire need to understand the thoughts and ideology of Sir Syed. Men like Syed Sahib are born once in decades, or perhaps, centuries! Are we ready to wait centuries for that to happen or reformulate our thought in-line with modern demands, choice is ours!

Keywords: *Social Ideology, Liberalism, Reformist, Renaissance, Current Scenario and Sir Syed.*

سرسیّد احمد خاں ہماری قوم کے بہت بڑے مصلح گذرے ہیں۔ سر سیّد نے اصلاح کا بیڑا اُس وقت اٹھایا جب مسلمان قوم کا شیرازہ بکھر چکا تھا جب مسلمانوں پر افسردگی چھائی تھی وہ مختلف طرح کے تعصبات، توہمات اور اختلافات میں مبتلا تھے۔ ہماری زندگی کا کوئی شعبہ ان کی نظر سے نہ بچ سکا۔ انھوں نے اخلاقی جرأت اور دلیری سے سچ بات کہہ دی جسے وہ مناسب سمجھتے تھے اس پر بڑا شوروغُل مچا۔ انھیں کافر، لامذہب، دجال کہا گیا۔ کُفر کے فتوے لگائے گئے۔ لیکن ان مخالفتوں کے باوجود ان کے پایۂ استقلال میں لغزش نہ آئی۔ انھوں نے مسلمانوں میں بیدارئِ علم کی تحریک پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ سر سیّد نے مسلمان قوم کو اُس وقت سہارا دیا جب انگریز ان کے خون کے پیاسے تھے، جب مسلمان سولی پر لٹکائے جاتے تھے، کالے پانی بھیجے جاتے تھے۔ ان کے گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی تھی۔ ان کی جائدادیں ضبط کرلی گئی تھیں۔ نوکریوں کے دروازے ان پر بند تھے۔ سر سیّد نے دیکھ لیا تھا کہ اصلاحِ احوال کی اگر جلد کوشش نہ کی گئی تو مسلمان خانساماں، خدمت گار اور مالی کے سوا کچھ نہ رہیں گے۔ سر سیّد نے محسوس کرلیا تھا کہ مسلمان جب تک اپنے باپ دادا کے کارناموں پر شیخی بگھارتے رہیں گے، انگریزی زبان اور مغربی علوم سے نفرت کرتے رہیں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتے۔

سر سیّد نے جب شعور سنبھالا تو برِّصغیر میں مسلمانوں کی عالی شان سلطنت زوال کا شکار تھی وہ اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کو طاقت اور قوت سے بدلنے کی بجائے ماتم کُناں تھی اور مسلمان ایک طرح کی قدامت

پسندی کا شکار تھے۔ جب کہ دوسری جانب ہندو اور دیگر اقوام انھیں پستی اور ذلت کی وادیوں میں گرانے کے آرزومند تھیں جب کہ انگریزوں نے مسلمانوں سے نیا نیا تخت چھینا تھا۔ اس طرح برِّ صغیر پاک و ہند میں ایک عجیب و غریب طرح کی کشاکش جاری تھی مسلمان وہ واحد قوم تھی جو چکی کے دو پاٹوں کے بیچ گھن کی طرح پس رہی تھی ہندو ان آٹھ سو برس کا انتقام لینا چاہتے تھے جو مسلمانوں نے یہاں حکمرانی قائم کرنے سے کم و بیش ۱۸۵۷ء تک بر قرار رکھی۔ انگریز نے چونکہ مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی اس لیے وہی انتقام مسلمانوں کے اندر انگریز کے خلاف موجود تھا، جو ہندوؤں کے ہاں مسلمانوں کے خلاف تھا۔ اس طرح ہندوؤں اور انگریزوں میں بہت سے معاملات میں ایک طرح کی خاموش یکجہتی قائم ہو چکی تھی یوں ہندوؤں پر انگریزوں کی طرف سے لامتناہی نوازشات کا سلسلہ جاری تھا وہ جدید سائنسی علوم، معاشی نظام کار اور دیگر حربی سامان سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے حکومتِ وقت کے شانہ بشانہ چل رہے تھے جبکہ مسلمان نہ صرف جدید علوم و فنون سے دور تھے بلکہ اپنے اندر انتقامی کارروائی کی وجہ سے لاچار تھے اُن کے اندر قدامت پسندی کا اُبھرنا لازمی امر تھا۔ ایسے حالات میں ضروری تھا کہ کوئی شخص وقت کی نزاکت اور معاملات کو سمجھتے ہوئے مسلم اُمہ کو سیدھے راستے پر چلائے اور انھیں درپیش مشکلات سے نکلنے کا دیرپا حل بتائے، انھیں جدید علوم سے ہم آہنگ کرنے کے لیے حکومتِ وقت کے قریب کرے، انھیں نئی تعلیم کی افادیت اور اہمیت سے آگاہ کرے تاکہ مسلمان عام معاشرتی، سماجی اور معاشی ڈگر میں کامیاب ہو سکیں ایسی صورتِ حال میں سر سیّد احمد خاں میدان میں آئے۔

برِّ صغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں ان کے بنیادی اسباب میں تین اسباب بہت اہم تھے:

۱- ایک تو مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت پر ہندوؤں کے اثرات۔

۲- دوسرے مذہب و اخلاق میں گمراہ کُن عقائد و نظریات کی پیدا کردہ خرابیاں۔

۳- تیسرے پوری قوم میں تعلیم کی کمی اور جدید علوم و فنون سے محرومی۔

سر سیّد کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ بُری رسمو ں اور رواج کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اصلاح کے خواہش مند پوری جرأت اور عزم و استقلال کے ساتھ ان کی مخالفت نہ کریں۔ سر سیّد نے معاشرہ کی ترقی و اصلاح کا کام شروع کیا پہلے خود دُری رسموں کو چھوڑا اور اچھی باتیں اختیار کیں پھر اپنے دوست احباب اور ہم خیال افراد

کو اس پر آمادہ کیا، بعد ازاں پوری قوم کو اس کی ترغیب دی اور ان تمام تدبیروں سے کام لیا جو معاشرہ کی اصلاح و ترقی میں مدد دے سکتی تھیں۔

سر سیّد احمد خان نے ۱۸۵۷ء کے طوفان میں مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے ایسے دردناک مناظر دیکھے جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا تھا اس وقت مسلمانوں پر مایوسی چھائی ہوئی تھی۔ سر سیّد پر بھی کچھ دن مایوسی کا غلبہ رہا۔ درج ذیل اقتباس سے سر سیّد کے دردِ دِل اور قوم کی سوگواری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ”.... مَیں اس وقت ہر گز یہ نہیں سمجھتا تھا کہ قوم پھر پنپے گی اور کچھ عزت پائے گی اور جو حال اس وقت قوم کا تھا مجھ سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔ چند روز مَیں اسی خیال اور غم میں رہا۔ آپ یقین کیجیے کہ اس غم نے مجھے بُڈھا کر دیا اور میرے بال سفید کر دیے ..... اس وقت یہ خیال پیدا ہوا کہ نہایت نامردی اور بے مروّتی کی بات ہے کہ اپنی قوم کو تباہی کی حالت میں چھوڑ کر مَیں خود کسی گوشۂ عافیت میں جا بیٹھوں، نہیں! اس کی مصیبت میں شریک رہنا چاہیے اور جو مصیبت پڑے اس کو دُور کرنے کی ہمت باندھنی قومی فرض ہے۔ مَیں نے ارادۂ ہجرت موقوف اور قومی ہمدردی کو پسند کیا“۔(۱)

اب سر سیّد کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ قوم کو گمراہی سے کیسے نکالا جائے۔ بہت غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کا علاج صرف جدید تعلیم ہے۔ یہ ساری آفت، پسماندگی اور تعلیم سے محرومی کی وجہ سے ہے مسلمان دنیا کے حالات سے بے خبر اور ترقی کی جدید راہوں سے ناواقف ہیں۔ مغربی تعلیم سے مسلمانوں کو شدید نفرت تھی کیونکہ ان کے نزدیک مغربی تعلیم خصوصاً سائنس کے مطالعہ سے نوجوانوں کے عقائد متزلزل ہو جانے کا خدشہ تھا۔ اس مقصد کے لیے سر سیّد نے مذہبی مسائل میں دخل دیا اور تفسیر قرآن اور بے شمار مضامین لکھے۔

سر سیّد کا اصل امتحان اس وقت شروع ہوا جب ذہنی انقلاب کے لیے مسلمان آمادہ نہیں تھے۔ ان کے لیے ذہنی اور فکری انقلاب کے ساتھ عملی طور پر کچھ کرنے کی ضرورت تھی۔ انھوں نے مسلمانوں کے لیے جدید طرزِ احساس اور جدید سوچ کے لیے ماحول بنانے اور دقیانوسی سوچ اور رہن سہن میں تبدیلی کے لیے گنجائش پیدا کرنے کی کوشش کی۔ دوسری جانب انگریزوں کے دِل و دماغ سے مسلمانوں کے لیے نفرت اور بغاوت کو ختم کرنے کے لیے تاریخی حوالوں سے قائل کرنے کے لیے کچھ رسائل اور کتابیں لکھیں جن میں ”اسبابِ بغاوتِ ہند“ اور

"تاریخ سرکشی بجنور" قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے عنوانات میں بغاوت اور سرکشی مخصوص معنویت کے حامل ہیں۔ سر سیّد نے حالات کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے سیاسی انداز اختیار کیا۔ علاوہ ازیں مسلمانوں اور عیسائیوں کے تاریخی اور مذہبی رشتوں کو بھی "تبین الکلام" میں واضح کیا۔

۱۸۵۷ء کے سانحے سے سر سیّد نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اب مسلمانوں کو انگریز سے وفاداری کا واشگاف اعلان کر دینا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے Loyal Mohammedans of India کے عنوان سے کتاب بھی تحریر کی۔ علاوہ ازیں وہ مذہبی دلائل کی مدد سے ان فتوؤں کو بھی مسترد کرتے رہے جو انگریز کے خلاف جہاد مسلمان پر واجب قرار دیتے۔ اگرچہ سر سیّد پر انگریز کا ایجنٹ ہونے کا الزام لگتا رہا لیکن سر سیّد نے انگریز حکمرانوں کے دِل سے بدگمانیاں رفع کرنے کی کوشش کی اور مسلمانوں کو اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کے لیے انگریزی علوم اور زبان کی طرف متوجہ کیا سر سیّد کے پیشِ نظر یہی حکمتِ عملی تھی جس پر عمل پیرا ہو کر مسلمان ترقی کی راہوں پر گامزن ہو سکتے تھے۔

سر سیّد قدیم و جدید دونوں قسم کی تعلیم کے تمام نقائص سے بخوبی واقف تھے۔ سر سیّد مسلمانوں کو ایسی تعلیم دینا چاہتے تھے کہ وہ تمام جدید اور مفید علوم اور اس کے ساتھ ہی اسلام کی صحیح تعلیمات اور زندگی کے اعلیٰ اصول و مقاصد سے واقف ہو جائیں۔

سر سیّد احمد خان نے اپنی تقریر ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو کلکتہ میں کی، جو اس وقت ہندوستان کا دارالحکومت تھا۔ کہتے ہیں:

> "مَیں رشک کرتا ہوں کیونکہ مَیں تمام بنی نوعِ انسان کا خیر خواہ اور بہی خواہ ہوں کہ ہمارے دوسرے اہلِ ملک نے اس بات کو سمجھا اور وہ دِل و جان سے انگریزی کی تحصیل میں مصروف ہو گئے.... مَیں بے شک اس بات کا مؤید ہوں کہ اس زمانے میں مسلمانوں کو بڑے زور و شدت اور بڑے ذوق و انہاک کے ساتھ انگریزی کی تحصیل میں کوشش اور سعی کرنی چاہیے۔ مگر مَیں ساتھ ہی بڑے زور سے یہ بات بھی کہوں گا کہ میرے مسلمان بھائی ہرگز عربی کا دامن نہ چھوڑیں۔ انگریزی کی تحصیل ہمیں

حاکموں اور افسروں سے ملاتی ہے جبکہ عربی کا حصول ہمیں خدا اور اس کے رسول ﷺ سے ملاتا ہے"۔(۲)

سر سیّد کے افکار سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مسلمانوں کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ انگریزوں سے خوشگوار روابط قائم کریں اور ان کی حکومت سے جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں انھیں اپنی اصلاح و ترقی کے لیے استعمال کریں۔

سر سیّد کا اصل کارنامہ لندن کا دورہ ہے جہاں انھوں نے انگریزوں کے تمدن کے مثبت پہلوؤں کا جائزہ لیا۔"مسافرانِ لندن" سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزوں کا تمدن قابلِ تقلید ہے۔ سر سیّد انگریزوں کے سلیقہ، آداب، ترقی کو بہت سراہتے۔ انھوں نے سفر انگلستان کے بعد معاشرتی، سماجی، علمی، تعلیمی معاشرے کی اصلاح کا ارادہ کیا۔ اس مقصد کے لیے علی گڑھ میں ابتدا میں مدرستہ العلوم جاری کیا اور ساتھ ہی تہذیب الاخلاق کا اجرا کیا۔ سر سیّد نے مسلم قوم کی اخلاقی اقدار کی بہتری اور سماجی اور تعلیمی اصلاح میں مدد کے لیے یہ رسالہ نکالا۔ اس میں مسلمانوں کے معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی مسائل کے حل کے لیے مضامین لکھے۔ اس رسالے کے مقاصد حالیؔ کے نزدیک یہ تھے کہ:

"..... اس پرچے کی تمام تر کوشش اس بات میں تھی کہ جو خیالات مسلمانوں کی ترقی اور تمدن کے مذہبی سمجھے جاتے ہیں اور در حقیقت مذہب سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے ان کو جہاں تک ہو سکے رفع کیا جائے.......یورپ کی سولائزیشن کے اصول و فرغ سے اور ان اسباب سے جو یورپ کی ترقی کا باعث ہوئے ہیں، قوم کو آگاہ کیا جائے.....اخلاق و عادات میں جو بہ سبب قومی تنزلی کے خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں وہ بیان کی جائیں"۔(۳)

دراصل اس رسالے کے ذریعے سر سیّد مسلمانوں کی قومی اخلاق کی اصلاح چاہتے تھے۔ ڈاکٹر سیّد عبد اللہ سر سیّد کے مضامین کے متعلق لکھتے ہیں:

"سر سیّد کے مضامین خاص طور پر ہماری ان چھوٹی چھوٹی عادتوں کے متعلق ہیں جنھیں ہم معمولی خیال کر کے نظر انداز کر دیتے ہیں مثلاً کاہلی، خوشامد، تعصب، رسم و رواج،

بحث و تکرار، پابندی وقت کا فقدان، رہن سہن میں صفائی اور عادات میں نظم و توازن کا فقدان وغیرہ۔ یہ ایسی چھوٹی چھوٹی عادتیں ہیں جو زندگی کے نظم و توازن کو بے آہنگ کر کے رکھ دیتی ہیں، سر سیّد نے ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کی طرف توجہ دلائی اور اس میں شبہ نہیں کہ ان کا ہماری مجلسی زندگی پر بڑا اثر ہے"۔(۴)

سر سیّد نے تہذیب الاخلاق کے مضامین کو وسیلہ بنا کر تربیت کے اصول بتائے۔ ان کے مضامین کے دو اسالیب تھے ایک تو تمثیلی انداز تھا جو کہانی کی صورت میں کسی نہ کسی فکری جہت کو منظر عام پر لاتا اور دوسرا براہِ راست استدلال کا اسلوب تھا۔ اس اسلوب میں سر سیّد ایک اضطراب اور کشمکش میں مبتلا نظر آتے تھے۔ سر سیّد بار بار ایک ہی بات کو مختلف طریقوں سے بیان کرتے جس سے نثر میں اُلجھاؤ بھی پیدا ہوتا جیسے "بحث و تکرار" اور "حسد" جیسے معاشرتی مسائل پر انھوں نے مسلمانوں کو ایک ایسا راستہ دِکھایا جو بے معنی مسائل میں اُلجھنے اور دوسروں کے لیے منفی جذبات کو پیدا کرنے کی بجائے زندگی کو مثبت انداز میں بسر کرنے کا سلیقہ بتاتے۔

اصغر ندیم سیّد اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

"سر سیّد نے تہذیب الاخلاق کے ذریعے ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کر دیا، جس کے ذریعے مسلمانوں کے تمام سماجی، فکری، علمی اور تعلیمی مسائل کو زیرِ بحث لایا جا سکتا تھا۔ دراصل یہی ایک ایسا دروازہ تھا جو مسلمانوں کے مستقبل کی طرف نکلتا تھا"۔(۵)

قوموں کی ترقی کا دار و مدار ہر دور میں علم و تہذیب کی ترقی کے ساتھ وابستہ رہا ہے۔ موجودہ دور میں جن قوموں کے پاس علم و ٹیکنالوجی کا ہتھیار ہے وہی قومیں دوسروں پر حکمرانی میں پیش پیش ہیں۔ سر سیّد نے اپنے ایک مضمون بعنوان "کن کن چیزوں میں تہذیب چاہیے" میں ۲۹ اصول ایسے قائم کیے جن پر بااصول زندگی اور شائستگی کا دار و مدار ہے۔ ان میں بے تعصبی، قومی ہمدردی، آزادیِ رائے، بے غرضی، ضبط اوقات، خلوص، سچائی، دوستوں سے مخلصانہ روابط، مہذب گفتگو، شائستہ لہجہ، عمدہ لباس، غرض تمام اخلاقی خوبیاں موجود ہیں۔

اخلاق و کردار کی تعمیر اور معاشرہ کی اصلاح و ترقی کے لیے ضروری تھا کہ لوگوں کو بُری خصلتوں سے محفوظ رکھا جائے ان کو عادتیں درست کرنے، اخلاق کو سنوارنے، معاشرے کی خرابیاں دُور کرنے اور اچھی خصلتیں اختیار کرنے کی ترغیب دی جائے۔ کہتے ہیں:

> "انسان اپنی غلطیوں کو مباحثہ اور تجربہ کے ذریعہ سے درست کر لینے کی قابلیت رکھتا ہے"۔ (۲)

بنیادی طور پر اگرچہ سر سیّد مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں منہمک رہے اور اپنی توجہ کا بیش تر حصہ اس دور کے تعصبات کے استیصال اور روشن خیالی کے فروغ پر صرف کرتے تھے۔ ہندوستانی مسلمانوں کو مکمل تباہی سے بچانے کے لیے ان کے پورے معاشرے کی اصلاح لازم تھی جس کو غیر اسلامی اثرات، رسوم و رواج، توہمات نے بالکل بگاڑ دیا گیا۔ ذات پات کی تفریق، فرقہ واری اختلاف اور تعصب و تنگ نظری نے ملی اتحاد اور معاشرتی ہم آہنگی کو ختم کر دیا تھا۔ مختلف فرقے ایک دوسرے کو اسلام سے خارج قرار دیتے۔ عورتوں کی محکومی، حق تلفی، جہالت اور کثرتِ ازواج جیسی رسموں نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ چھوت چھات کا اثر اتنا گہرا تھا کہ عیسائیوں اور انگریزوں کے ساتھ کھانا پینا بھی مذہب کے خلاف سمجھتے تھے۔ پیری مریدی کی بگڑی ہوئی صورت رائج تھی۔ اخلاق و عادات کے اعتبار سے بھی پوری قوم کی حالت خراب تھی۔ تعصب و تنگ نظری، باہمی مخالفت و عداوت، خوشامد پسندی، جھوٹی شان و شوکت، قدامت پرستی میں شدت تھی۔ ایسے ناموافق حالات میں کامیابی کی امید بھی برائے نام تھی۔ معاشرہ کی اصلاح و ترقی کے لیے سر سیّد نے جو منصوبہ بنایا اس میں کامیابی کے لیے قوم میں ایک ذہنی و عملی انقلاب کی ضرورت تھی۔ بہت غور و فکر کے بعد سر سیّد اس نتیجے پر پہنچے کہ قوم میں یہ انقلاب اس وقت ہو سکتا ہے جب نئی نسل کو جدید تعلیم دی جائے۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کو روحانی و اخلاقی تہذیب سے روشناس کیا جائے۔ مسلمانوں کے معاشرتی وقار کے لیے ضروری تھا کہ وہ تعصب، ریا، خود غرضی، خوشامد سے پرہیز کریں۔ تہذیب الاخلاق کے مضمون "تعصب" میں لکھتے ہیں:

"انسان کی بدترین خصلتوں میں سے تعصب بھی ایک بدترین خصلت ہے۔ یہ ایسی بدخصلت ہے کہ انسان کی تمام نیکیوں اور اس کی تمام خوبیوں کو غارت اور برباد کرتی ہے"۔(۷)

اسی طرح اپنے مضمون "بحث و تکرار" میں لکھتے ہیں:

"اگر سچ پوچھو تو بے مباحثہ اور دل لگی کے آپس میں دوستوں کی مجلس بھی پھیکی ہے۔ مگر ہمیشہ مباحثہ اور تکرار میں تہذیب و شائستگی، محبت اور دوستی کو ہاتھ سے دینا نہ چاہیے"۔(۸)

"تہذیب الاخلاق کے ذریعے سر سیّد قوم کو یہ باور کروانے میں کامیاب ہوگئے کہ انگریزی تعلیم و تربیت مسلمانوں کے لیے ترقی کے دروازے کھول سکتی ہے جس میں سر سیّد نے اپنے اس اصلاحی رسالے میں مسلسل ایسے مضامین لکھے جو ملوکیت کے زیر سایہ پرورش پانے والی ہندوستانی عوام کے لیے جدید راہوں کا تعین کرنے میں کامیاب ہوئے۔ تہذیب الاخلاق کے مضامین میں تہذیبی آزاد خیالی کے مسلک کو مرکز بنا کر سر سیّد نے اسلام کی اس روح سے قارئین کو متعارف کروایا کہ جو تہذیب یا شائستگی پیدا کرنے کا کام کر سکتی تھی۔ اس رسالے میں سر سیّد کے پیش نظر مسلمانوں کی تہذیبی و معاشرتی اصلاح تھی سر سیّد نے صداقت، سچائی، قومی ہمدردی، ایمان داری، وقت شناسی، اپنی مدد آپ، تہذیب و شائستگی، رسم و رواج کا فلسفہ اور اس میں اصلاح کی ضرورت ترقی کے اصول اور تنزل کی وجوہ، وغیرہ وغیرہ۔ اس نوع کے دیگر موضوعات پر اظہار خیال کرتے ہوئے مسلمانوں کو قومی اتحاد کی جانب مائل کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان اپنی موجودہ صورت حال کو سمجھتے ہوئے حجت بازیوں سے پرہیز کریں اور انگریزی اقتدار سے زیادہ سے زیادہ فائدے حاصل کریں۔

سر سیّد نے ایک ماہر نباض کے دستِ شفقت کی مانند اپنی تمام توانائیاں مسلم قوم کا مرض پہچاننے اور اس کا علاج کرنے میں صرف کر دیں۔ انھوں نے مسلمانوں کی پسماندگی و کسمپرسی کے تمام امراض کا علاج نہ صرف تجویز کیا بلکہ اس کے لیے سر توڑ کوششیں بھی کیں۔ سر سیّد کی زندگی پر نگاہ ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ معاشرے کا ایک عام انسان ہوتے ہوئے بھی انھوں نے خاص معاملات میں قوم کی رہنمائی کا فرض احسن طریقے سے سرانجام دیا

۔ سر سیّد ایک مخلص مصلح کے طور پر مسلمانوں کی زندگیوں کو ہر شعبے میں پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ مسلمان اپنی اقدار اور مذہبی احساسات کا دامن تھامے ہوئے زندگی کی لہر کے ساتھ رواں دواں رہیں۔ اگرچہ اس مقصد کی تکمیل کی راہ میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن سر سیّد اپنی دُھن کے پکے نکلے وہ نہایت خلوص اور دیانت داری کے ساتھ اپنے وضع کردہ پروگرام پر عمل درآمد کرتے رہے کیونکہ ان کے پیش نظر کسی فردِ واحد کی اصلاح نہ تھی بلکہ وہ ایک ایسے مسلم معاشرے کی تکمیل چاہتے تھے جو اپنے تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے نئے حالات کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر سکے۔ فاطمہ نقوی لکھتی ہیں:

> " سر سیّد نے جس وقت تحریک اصلاح کا آغاز کیا مسلمانانِ برصغیر پاک وہند انتہائی فکری انتشار کا شکار تھے۔ ایسے میں سر سیّد روشنی کی ایسی کرن بن کر اُبھرے جس نے اُمید کے ہزاروں دیے جلا دیے۔ برّصغیر میں اجتہاد اور روشن خیالی کی تحریک کو آگے بڑھانے میں سب سے مؤثر اور تاریخی کردار سر سیّد کا ہی نظر آتا ہے۔ ان کی تعلیمی تحریک اور انگریز دوستی پر لاکھ تنقید کی جائے لیکن ان کی پالیسیوں سے جو انھوں نے مُسلم قوم کو اس کا جائز مقام دلوانے کے لیے اختیار کیں، اختلاف مشکل ہی سے ممکن ہے"۔(۹)

سر سیّد کی زندگی کا ایک اصول تھا کہ جن سے ان کا مزاج نہ ملتا ان کی باتوں کو یا تو مذاق میں ٹال دیتے یا نظر انداز کر دیتے۔ کسی رنجش کو دل میں نہ رکھتے۔ اگر کبھی کسی بات پر شدید غصہ آتا تو کبھی جُزوقتی اظہار کر کے ہمیشہ کے لیے بھول جاتے یا پھر اپنی تحریروں میں سخت اسلوب / درشت اسلوب سے ان کی خبر لیتے۔ وہ سچ کا پرچار کرنے والے ایسے انسان تھے کہ ان کی راست گوئی پر کوئی حرف اُٹھاتا تو سر سیّد ناراض ہو جاتے کیونکہ وہ دامے درمے قدمے سخنے راست بازی کو دِین و ایمان سمجھتے تھے۔ اپنے احباب سے اکثر کہا کرتے تھے کہ:

> "میرے سچے مذہب نے مجھے سکھایا ہے سچ کہنا اور سچ کرنا۔ نہایت کمینہ وہ آدمی ہے جو کہتا کچھ ہے اور کرتا کچھ ہے اور اس سے بھی زیادہ کمینہ وہ شخص ہے جو شریعت کے حکم

سے واقف ہو اور پھر رسم و رواج کی شرم سے یا لوگوں کے لعن و طعن کے ڈر سے اس
کے کرنے میں تامل کرے"۔(۱۰)

محولہ بالا خیالات سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سر سیّد نے معاشرتی معائب کے تدارک کے لیے کس قسم کی کوشش کی۔

سر سیّد احمد خاں کے افکار و نظریات سے روشناس ہونے کے لیے جب ان کے مقالات و مضامین تحریروں کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ عیاں ہوتا ہے کہ وہ اپنی شکست خوردہ قوم کو دنیا میں از سر نو بلند کرنے کی شدید خواہش رکھتے تھے وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان مل جل کر قومی بھلائی کے امور میں حصہ لیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ان کی علمی اور ذہنی تربیت بہت ضروری تھی۔

سر سیّد مسلمان نوجوانوں میں قومی اتحاد اور قومی ہمدردی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ مذہب اسلام کی حقیقت اُن کے دِل میں قائم رہے۔ جہاں تک ممکن ہو مذہبی تعلیم، عقائد مذہبی اور فرائض مذہبی کے پابند رہیں۔

۳۰ دسمبر ۱۸۸۸ء کو سر سیّد نے لاہور کے مسلمان طلبہ سے کہا وہ انھیں "میرے عزیزو.... میرے آسمان کے تارو" کہتے۔ کہتے ہیں:

"اے میرے عزیزو! میری یہ آرزو ہے کہ مَیں اپنی قوم کے بچوں کو آسمان کے تاروں
سے اونچا اور سورج کی طرح چمکتا دیکھوں۔ ان کی روشنی اس نیلے نیلے گنبد کے اندر
ایسی پھیلے کہ سورج اور چاند اور ستارے سب اس کے آگے ماند ہو جاویں۔ خدا سے امید
ہے کہ ایسا ہی ہو گا۔ اے خدا ایسا ہی کر! اے خدا ایسا ہی کر! (آمین)"۔(۱۱)

سر سیّد انگریزوں کی اخلاقی صفات کے قائل تھے سر سیّد اپنے نوجوانوں میں صفاتِ انسانی کا مجموعہ دیکھنا چاہتے تھے۔ کہتے ہیں:

"مَیں اپنی قوم کے بچوں سے التجا کرتا ہوں کہ جس قدر وہ یورپین لٹریچر میں ترقی
کرتے جاویں اسی قدر اخلاقِ حمیدہ اور بزرگوں کے ادب میں بھی ترقی کریں"۔(۱۲)

مولانا حالی کا بیان سر سیّد کو سمجھنے کے لے کافی ہے وہ فرماتے ہیں کہ سر سیّد کی حالت اُس آدمی جیسی ہے جس کے گھر کو آگ لگی ہوئی ہو اور وہ اُسے بجھانے کے لیے مدد کے لیے پکار رہا ہو۔ سر سیّد کی ذہنی کیفیت کو حالی بہتر طور پر سمجھتے تھے۔ یہ آگ دراصل سر سیّد کے اندر لگی ہوئی تھی۔ جب اصلاحِ معاشرہ اور قومی خدمت کا بار اپنے سر لیا تو اس شغف میں مزید اضافہ ہوا۔ انھیں اپنی قوم سے سچا عشق تھا، وہ بلا مبالغہ فنافی القوم کے درجے کو پہنچ چکے تھے۔

سر سیّد کی زندگی، کاموں اور نظریات کے حوالے سے دو گروہ نظر آتے ہیں۔ ایک گروہ انھیں جدید علوم کا معمار، مصلحِ قوم اور رہنما سمجھتا ہے۔ جب کہ دوسرا گروہ انگریزی حکومت سے اُن کی وفاداری کو شک کی نظر سے دیکھتے ہوئے ان کی ذات کے حوالے سے مختلف طرح کی باتیں کرتا ہے۔ وہ انھیں "نیچری" انگریزوں کے خدمت گار کے لقب سے پکارتے یہاں تک کہ مسلمانوں کا مخالف، ملحد، کافر تک کہا گیا۔ سر سیّد احمد خاں مزاجاً بہت صلح پسند اور امن پسند انسان تھے۔ انھوں نے ان غلط فہمیوں کو عوام الناس کے دِلوں سے بحث و مباحثہ کے بعد مدلل ثبوتوں اور براہین کے ساتھ رد کیا۔ سر سیّد نے جو کچھ بھی کیا وہ مسلمانوں کے مستقبل، ترقی اور دنیا میں ان کے سرخرو ہونے کے لیے جن باتوں، اعمال و افعال کی ضرورت تھی اس سب کو پیشِ نظر رکھ کر کیا۔ تاہم اگر موجودہ حالات اور واقعات کے تناظر میں دیکھا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ سر سیّد احمد خاں کے افکار، اعمال اور افعال بہت حد تک درست تھے۔ وہ جدید دنیا کے تقاضوں سے ہم آہنگ ایک باخبر اور زمانہ شناس انسان تھے۔ وہ اگر جدید تعلیم سائنسی افکار کی جانب مسلمانوں کی توجہ نہ دلاتے تو شاید مسلمانوں کی حالت اس سے بھی دِگرگوں ہوتی۔

سر سیّد کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے حاسدین کم اور ناقدین زیادہ پیدا کیے جو ان کی جدوجہد کا کھلی آنکھوں اور بیدار ذہنوں کے ساتھ جائزہ لیتے۔ سر سیّد نے ہر دقیق موضوع سے لے کر اردو زبان کی ترویج تک کے موضوع پر لکھا اور اتنے سادہ، عام فہم انداز اور دلائل کے ساتھ لکھا کہ وہ اہلِ ہند کے دِلوں میں اترتا چلا گیا۔ وہ خود بھی غور و فکر کرتے اور اپنے احباب کو بھی اسی ڈگر پر چلنے کی دعوت دیتے۔ جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں:

> "غور کرو کہ تمھاری قوم کی شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کس طرح عمدہ ہو، تاکہ تم بھی ایک منفرد قوم ہو۔ کیا جو طریقہ تعلیم و تربیت کا، بات چیت کا، وضع و لباس کا، سیر

سپاٹے کا، شغل اشغال کا، تمھاری اولاد کے لیے ہے، اس سے ان کی شخصی چال چلن، اخلاق و عادات، نیکی و سچائی میں ترقی ہو سکتی ہے"۔ (۱۳)

سر سیّد نے مسلمانوں کو معاشرتی اعتبار سے مستحکم کرنے کے لیے ایک لائحۂ عمل ترتیب دیا۔ انھوں نے اپنے ہم خیالوں کی ایک ٹیم بنائی جس نے دیانت داری کے ساتھ سر سیّد کی ہم نوائی کی۔ سر سیّد کی تحریکِ اصلاحِ معاشرہ مسلمانانِ پاک و ہند میں جن احباب نے اپنا حصہ نقد و نظر ڈالا، ان میں مولانا الطاف حسین حالی، مولوی چراغ دِین، مولوی سیّد علی بلگرامی، مولانا ذکاء اللہ، نواب محسن الملک، نواب اعظم یار جنگ، مولوی سیّد وحید الدین پانی پتی، مولوی عبد الحلیم شرر، مولوی عنایت اللہ دہلوی و دیگر شامل ہیں۔

سر سیّد کو مذہبی رہنماؤں سے شکایت تھی کہ وہ اپنے فرائضِ منصبی بہ طریقِ احسن نہیں نبھا رہے۔ اس دور میں علما غیر اسلامی مباحث میں اپنا وقت صرف کر رہے تھے۔ سر سیّد نے ایک فلاحی اور مثبت و مضبوط تحریک کا تحفہ برِّ صغیر کے باشندوں کو دیا جو اُس وقت کی ضرورت تھی۔ سر سیّد جانتے تھے کچھ کچھ مخصوص عناصر عام آدمی کے حقوق کا دفاع نہیں کر سکتے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو مذہب کی تعبیر اپنے اپنے حساب اور اپنی اپنی فکری اپروچ کے مطابق کرتے تھے۔ ایسے نازک وقت میں سیاسی، مذہبی، تعلیمی، تہذیبی، سماجی، فکری اقدار کے دفاع کے لیے مذہب کی ہمراہی میں نئی فکر، سائنسی شعور، نظریۂ ضرورت اور جدیدیت کی ضرورت تھی۔

جدید تعلیم اور سائنسی فکر ہی مغربی طوفان اور سیلاب کے سامنے ڈٹ سکتی تھی۔ مغربی استعمار کو توڑنے کے لیے ضرورت تھی کہ نئے دور کی انسانی نفسیات اور اقتصادی مسائل کو جدید سائنسی اصولوں کے مطابق سمجھیں۔ ثابت قدمی اور جدید علوم سے روشناس ہو کر حالات کا بہادری سے مقابلہ کیا جائے۔ مولانا اسمٰعیل سر سیّد کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

اس امر کی ترغیب دی گئی تھی کہ مسلمانوں کو اپنے اسلامی اور قومی اور دینی علوم کی تحصیل کے ساتھ انگریزی زبان اور اس کے علوم بھی حاصل کرنے چاہئیں تا کہ ہم حکمران قوم کے افکار و خیالات سے بخوبی واقف ہو سکیں"۔ (۱۴)

سر سیّد احمد خاں ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے اور ان کی وفات ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو دہلی میں ہوئی۔ کہنے کو تو وہ محض اکیاسی (۸۱) برس زندہ رہے تاہم ان کی عمر کے یہ برس برِّ صغیر کے مسلمانوں کے لیے بہت قیمتی ثابت ہوئے۔ سر سیّد کی ساری زندگی جہدِ مسلسل نظر آتی ہے بلکہ برِّ صغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی زندگی اور عمل پر اس کے واضح اثرات نظر آتے ہیں۔ سر سیّد نے معاشرتی اخلاقی اصلاح سے قبل پہلے اپنی اصلاح کی۔ مولوی عبد الرحمٰن اپنے مضمون "سر سیّد احمد خاں" میں لکھتے ہیں:

> " سر سیّد کی ہستی بھی ایسی ہی تھی کہ ان کی زندگی سے ہمیں بہت سے بے بہا سبق مل سکتے ہیں ان کا اپنے نصب العین پر آخر دم تک جمے رہنا۔ اس کے لیے ہر جائز ذریعہ کو کام میں لانا، مخالف قوتوں کا دلیری سے مقابلہ کرنا، محنت و مشقت سے جی نہ چرانا، دن رات کام میں لگے رہنا، تساہل و کاہلی کو پاس نہ پھٹکنے دینا خود ایک بڑا کارنامہ ہے۔ انھوں نے اپنے خیالات کو کبھی نہیں چھپایا۔ جو دِل میں تھا وہی ان کی زبان اور قلم پر تھا۔ کبھی اس کی پروا نہیں کی کہ اس سے ان کی ذات یا ان کے مقصد کو نقصان پہنچے گا.... ہمیشہ کمال اخلاقی جرأت سے کام لیا۔ بے ریائی اور صداقت عمر بھر ان کا شعار رہا"۔ (۱۵)

سر سیّد کی تحریریں ہمارے لیے صحیفۂ ہدایت ہیں اگرچہ ان کی رائے اور اجتہاد میں کہیں کہیں غلطیاں بھی نظر آئیں گی لیکن ان کے خلوص و صداقت اور راست کرداری میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں آج جو روشن خیالی کی تحریک نظر آتی ہے وہ سر سیّد کے کاموں کا ہی نتیجہ ہے۔ حالی کی رائے یہ ہے:

> "جس قدر زیادہ زمانہ گذرتا جائے گا اس قدر سر سیّد کے کاموں کی زیادہ قدر اور ان کے حالات کی زیادہ چھان بین ہوتی جائے گی۔ متعدد لوگ ان کی بائیو گرافی لکھنے پر قلم اٹھائیں گے اور صدیوں تک اس ہیرو کا راگ ہندوستان میں گایا جائے گا"۔ (۱۶)

سر سیّد احمد خاں نے ۱۸۵۹ء میں مراد آباد میں فارسی مدرسہ بنایا۔ ۱۸۶۳ء میں غازی پور میں سائنٹفک سوسائٹی بنائی۔ راس برمن غازی پور میں ایک انگریزی مدرسے کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۸۶۶ء میں سر سیّد نے برٹش انڈین ایسوسی ایشن کے نام سے ایک انجمن قائم کی۔ مختلف اضلاع میں تعلیمی کمیٹیاں ہوں یا اردو یونی ورسٹی کے لیے

کوششیں تہذیب الاخلاق کا جاری کرنا ہو یا علی گڑھ میں محمڈن اینگلو اوری اینٹل کالج کا قیام اور دیگر خدمات، سر سیّد کا مقصد مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشرتی حالت کو بہتر بنانا تھا اور اس وقت کے منظر نامے میں انھیں جو بھی مواقع میسر آئے وہ ان سے کسی اندرونی یا بیرونی تصادم کے بغیر مسلمانوں کے فائدے کے لیے راہیں فراہم کرتے رہے۔

> "خواہ مذہب ہو یا سیاست یا تعلیم سر سیّد احمد خاں کے لیے رہنما اصول یہ تھا کہ مسلمانوں کی فلاح میں پورے ملک کی فلاح ہے۔ اور اس فلاح کے ذریعے ہی متحدہ قومیت کا خواب پورا کیا جا سکتا ہے"۔(۱۷)

در حقیقت سر سیّد صحیح معنوں میں ایک روشن فکر اور درست سمت رکھنے والے انسان تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں برِّ صغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی زندگی میں مثبت تبدیلی لانے کے لیے جو انقلاب آفریں اقدام اُٹھائے، اگر غور کیا جائے تو آج ہم اس کا ثمر حاصل کر رہے ہیں۔ سر سیّد کی وہ ساری مساعی جو ان کی تحریروں میں ملتی ہے ان تمام کو یکجا کیا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ آج کا عہد بھی اسی جہدِ مسلسل اور کاوش کا متقاضی ہے ہم معاشرتی سطح پر اُسی افراتفری اور بے سمتی کا شکار ہیں جو سر سیّد کے دور میں پیدا ہو رہی تھی۔ آج ہم انتہائی مشکل دور سے گذر رہے ہیں جہاں اقدار، تہذیبی رہن سہن، مذہبی امور، کلچر، ثقافت اور اخلاقیات ریت کے باریک ذروں کی مانند ہماری مٹھی سے سرک رہے ہیں۔ آج بھی مسلمان قوم کینہ پرور اور نااہل لوگوں کی فکری پستی اور تخریبی سوچ کا شکار ہے۔ اس طرح کی صورتِ حال میں ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو منفرد شناخت اور خصائص کا حامل ہو۔ جو انسانی فلاح کے لیے نئی توجیہات اور نئے افکار و رجحانات کی نشان دہی کرے۔ جو پچھلی صدی میں رہتے ہوئے آنے والی نسلوں کو درپیش مسائل کی گرہیں کھولے۔ جو رجائیت کا سورج طلوع کرنے والا ہو۔ جو ٹوٹے ہوئے دِلوں کی ڈھارس بندھائے۔ آج بھی جب سر سیّد کی تعلیمی، تہذیبی، معاشرتی اور سماجی خدمات کا جائزہ لیں تو ان جیسا مدبر اور دُور اندیش دانش ور مشکل سے ہی نظر آتا ہے۔ آج کا انسان بھی سر سیّد کی انسانی فلاح کے لیے کی گئی کوششوں کا معترف ہے جو لوگ سر سیّد کے دور میں ان کے نظریات کے مخالف تھے ان کی پڑھی لکھی روشن دماغ نسلیں آج بھی سر سیّد کی سوچ کے گُن گاتی ہیں۔ پاکستان قومی و معاشرتی سطح پر آج جن بحرانوں کا شکار ہے ان کا حل تلاش کرنے کے لیے سر سیّد کی فکری ہمارے لیے مشعلِ راہ ثابت ہو سکتی ہے۔ آج کے پاکستان میں جس طرح دہشت گردی کا آسیب موجود ہے اور تعلیم کے متعلق مختلف تصورات میں ہم آہنگی موجود نہیں ہمیں ترقی و خوشحالی کے لیے

ایک ایسے رہبر کی ضرورت ہے جو واضح شعور اور روشن فکر رکھتا ہو جو دیانت داری کے ساتھ مسلمانوں کی رہنمائی کرے۔اس ضمن میں سر سیّد کی فکری ہی ہماری رہنمائی کر سکتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مولوی عبدالرحمٰن، "سر سیّد احمد خاں" مشمولہ مطالعہ سر سیّد، محمد اکرام چغتائی، سنگِ میل پبلشرز لاہور، ۲۰۰۶ء، ص۷۷

۲۔ مسلمانوں کی تعلیم دین و دنیا کا امتزاج، مشمولہ سر سیّد کا آئینہ خانہ،افکار، ترتیب ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی، فضلی سنز کراچی،۱۹۹۸ء، ص۱۵۲

۳۔ الطاف حسین حالی، "حیاتِ جاوید" نیشن بک لاہور،۱۹۸۶ء، ص۶۹

۴۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ، "طیف نثر" لاہور اکیڈمی لاہور،۱۹۸۵ء، ص۹۷،۹۸

۵۔ اصغر ندیم سیّد، "سر سیّد کو سمجھنے کی ایک کوشش" مشمولہ ماہِ نو، جلد ۷۰، شمارہ ۲، ۲۰۱۷ء، ص۵۵

۶۔ محمد اسمٰعیل پانی پتی، "مقالاتِ سر سیّد، جلد پنجم، مجلسِ ترقّی ادب لاہور، ۱۹۹۰ء، ص۲۱۳

۷۔ محولہ بالا، ۰۲، ص۸۶

۸۔ محمد اسمٰعیل پانی پتی، محولہ بالا۰۶، ص۱۶۱

۹۔ فاطمہ نقوی، "سر سیّد اور موجودہ چیلنج"، محولہ بالا۰۵، ص۲۳

۱۰۔ محولہ بالا۰۳، ص۱۹۸

۱۱۔ محولہ بالا۰۲، ص۱۷۳

۱۲۔ ایضاً، ص۱۷۴

۱۳۔ محولہ بالا۰۶، ص۷۵

۱۴۔ ایضاً، ص۲۸۵

۱۵۔ محولہ بالا۰۱، ص۱۱۰

۱۶۔ الطاف حسین حالی، "حیاتِ جاوید" محولہ بالا۰۳، ص۱۹۸۶

۱۷۔ محمد علی صدیقی، "سر سیّد احمد خاں کی مذہبی فکر اور سیاست" پیس پبلشر اردو بازار لاہور، ۲۰۱۱ء، ص؟